© rasailojaraid.com

مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ
سابق مہتمم دار العلوم (دیوبند)

صاحبِ دل انسان

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری ان مشاہیر ملک میں سے تھے جن پر ملک والے ہمیشہ فخر کرتے رہیں گے اور ان کے نام سے اپنے ناموں کو اچھال سکیں گے۔ وہ حقیقتاً اسم با مسمیٰ تھے بلاشبہ وہ اللہ کی ایک عطا تھے جو ہند و پاک کے مسلمانوں پر مبذول کی گئی جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات قدسی صفات کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:۔

"انا رحمتہ مھداۃ"

میں ایک رحمت ہوں جو (خدا کی طرف سے بندوں کو ہدیہ دی گئی ہے)

اس طرح آل رسول ﷺ میں عطاء اللہ شاہ کی ذات تھی جو اللہ کی طرف بندوں کو عطاء کی گئی تھی تاکہ صدیوں تک اس نام سے ان کا نام اونچا رہے۔

پھر عطاء اللہ شاہ بخاری نے مبذول ہو کر ان میں بہت سی وہ خصوصیات پیدا کیں جن سے خود ان کا نام اونچا ہوا۔ ان کا مشہور زمانہ وصف جس میں وہ بے مثال تھے۔ خطابت تھا۔ ان کی خطابت جاذبیت کا ایک جادو تھی جس میں بے پناہ کشش تھی۔ ہزاروں انسانوں کا مجمع جو تاحد نظر پھیلا ہوا ہوتا تھا ان کی تقریر کی مسلسل زنجیر میں جکڑا ہوا محسوس ہوتا تھا جس میں سے کسی کا اکتا کر اٹھ جانا تو کیا معنی کوئی اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ ان کی تقریر اسے جکڑ کر باندھ لیتی تھی۔ اور کیا مجال تھی کہ کوئی شخص اپنی توجہ کو بھی ان سے ہٹا سکے۔

یہ کشش محض الفاظ کی نہ تھی اور محض الفاظ میں یہ جاذبیت ہو بھی نہیں سکتی جب تک کہ الفاظ میں گہری معنویت نہ ہو اور محض معنویت بھی زنجیر کشش نہیں بن سکتی جب تک اس معنویت میں معرفت نہ ہو۔ اور محض معرفت بھی کشش کے اس مقام پر نہیں پہنچ سکتی جب تک اس میں محبت نہ ہو۔ اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری بے مثال خطیب ہونے کے ساتھ صاحب معنویت، صاحب معرفت، اور صاحب عشق و محبت تھے۔ بالفاظ دیگر وہ محض صاحب لسان نہ تھے بلکہ صاحب دل انسان تھے۔ محبت نبوی ﷺ ان کے دل کی رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی۔ اسی لئے ان کے جوش کا تعلق تھا۔ اور اسی سے ہوش کا۔ اور اسی سے ان کی خطابت کا چشمہ ابلتا تھا۔ جس میں دوسروں کے دلوں کی رگ و پے میں سما جانے کی خاصیت ہوتی تھی۔

آدمی صاحب دل خود سے نہیں بنتا کسی صاحب دل سے بنتا ہے۔ ارباب لسان کے بس کی بات نہیں کہ باتوں سے کسی کو صاحب دل بنا دیں۔ دل سے دل بنتا ہے دل جب کبھی دل والے سے ملتا ہے جب ہی صاحب دلی آتی ہے۔ عطاء اللہ بھی ایک صاحب دل سے وابستہ ہو کر ہی صاحب دل بنے۔ اگر رائے پور کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خانقاہ میں ان کا گزر نہ ہوتا تو ان کا لفظی کمال معنویت کی روح اختیار نہ کرتا۔ اور اگر وہ رائے پور کے مقدس درویش حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر جی رائے پوری ادام اللہ ظلالہم کے قدموں تک نہ پہنچتے تو ان کے قدم دوسروں کے سروں پر نہ ہوتے انہیں حضرت رائے پوری مدظلہ (۱) تعالیٰ کا دست مبارک ملا تو دست بدست وہاں پہنچ گئے۔ جہاں اس دستگیری کے بغیر نہیں پہنچا جاسکتا۔ یہ خدا کی دین ہے کہ پہنچے تھے مرید بن کر اور لوٹے مراد بن کر۔

ہر مرید اپنے شیخ کا اور ہر شاگرد اپنے استاد کا محب ہوتا ہے لیکن عطاء اللہ کو مقام محبوبیت یہ ملا کہ خود شیخ ہی ان کے گرویدہ ہو گئے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی وفات کی خبر پہنچی تو شیخ بے اختیار رو پڑے اور رونے میں آوازیں تک نکل پڑیں۔ جس کا شیخ اپنے مرید پر پھوٹ پھوٹ کر روئے اس کی محبوبیت کی کیا انتہا ہو سکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ شیخ کی شیفتگی، مرید کی اعلیٰ تربیت کا نشان ہوتی ہے۔ اور قابلیت بھی قلب کی نہ کہ محض لفظوں کی۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ سید عطاء اللہ بے مثال صاحب لسان خطیب ہی نہ تھے بلکہ ایک بے نظیر صاحب دل عارف بھی تھے۔

شاہ جی کی پاکیزہ نورانی صورت ان کی پاکیزہ سیرت کی ترجمان تھی۔ ان کا شگفتہ چہرہ ان کے کھلے ہوئے اور کھلے دل کا آئینہ تھا۔ ان کی رسیلی آواز چمکدار آنکھوں سے انکی طباعی اور ذہانت کا پردہ فاش ہوتا تھا۔ اور ان کے بشرہ کی صفائی ان کے اخلاق کی صفائی اور طبعیت کی ستھرائی کا نشان تھی۔ جس کا ظہور ان کے مجلسی کلام اور اجتماعی بیان بلکہ انکی ایک ایک اداہیت کذائی سے ہوتا تھا۔

مرحوم کے چھوٹے چھوٹے فقرے طباعی اور ذہانت کے ساتھ بہت سی حقیقتیں اور دل کی صداقتیں اپنے اندر لئے ہوئے ہوتے تھے۔ جن سے فہیم انسان دور تک پہنچ جاتا تھا۔

کسی نے پوچھا کہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ (ازواج مطہرات نبی ﷺ) میں باہم کیا فرق تھا۔۔۔؟ تو برجستہ فرمایا کہ خدیجہ کا نکاح محمد ﷺ ابن عبداللہ سے ہوا تھا اور عائشہ کا نکاح محمد رسول اللہ ﷺ سے ہوا تھا۔ فرق مراتب کی یہ کس قدر بلند تعبیر ہے؟ جو عطاء اللہ ہی کا حصہ ہے۔ ایک سوال کیا گیا کہ علیؓ اور عمرؓ میں کیا فرق ہے؟ تو برجستہ بولے کہ علیؓ مرید تھے اور عمرؓ مراد تھے (یعنی علیؓ کو اسلام کی طلب تھی اور اسلام کو عمرؓ کی طلب تھی) یہ لطیف اشارہ تھا دعاء نبوی ﷺ کی طرف کہ اے اللہ "عمرین" میں سے کسی ایک کو اسلام میں داخل کر دے۔ اس دعا کی قبولیت حضرت عمرؓ کے حق میں ظاہر ہوئی۔ ایک موقع پر کہا گیا کہ گو میں علیؓ کی اولاد ہوں لیکن عمرؓ کے بارے میں عقیدہ یہ رکھتا ہوں کہ اگر عمرؓ کو درمیان سے نکال دیا جائے تو اسلام میں کچھ باقی نہیں رہتا (یعنی حضرت عمرؓ کے نہ ہونے سے بعالم اسباب اسلام کی کتنی ہی بنیادی خصوصیات چھپی رہ جاتیں) بہرحال یہ جادو کے فقرے یہ فسوں کے جملے ایک ایسی طبعیت کی نشان دہی کرتے ہیں جس میں ذکاوت

۱۔ مضمون ۱۹۶۱ء میں تحریر کیا گیا تب حضرت رائے پوری حیات تھے۔ حضرت کا انتقال ۱۹۶۲ء میں ہوا۔ (مدیر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وذہانت کے ساتھ اسلامی ذوق اور اس ذوق کے اسلامی تاریخ پر پھیلاؤ رچا ہوا تھا اور وہ اسلامی حقائق کی واقفیت کے ساتھ ان کی تاریخی خصوصیات کے تجزیہ پر قادر تھے۔

ان کی بے نظیر خطابت جہاں اسلامی مقاصد کی ترجمان تھی۔ وہیں اسلامی مدافعت کے لئے مضبوط ترین سپر بھی تھی۔ جماعت احرار کے سلسلہ میں انہوں نے قادیانیت کو بیخ دین سے اکھاڑ دینے کی جو مساعی انجام دیں وہ اپنی مثال آپ ہی تھیں۔ جماعت احرار کی قیادت کے زمانہ میں عطاء اللہ کے ہاتھ میں چمکدار تیر، منہ میں دو دھاری زبان اور باطن میں جرار قلب تھا۔ جس نے جماعت احرار کی قیادت کرتے ہوئے پنجاب سے قادیانیت کا جنازہ نکال دیا جو پھر نہ ابھر سکی۔ قادیانیت کا ابطال درحقیت ختم نبوت کا اثبات تھا۔ اور ختم نبوت عطاء اللہ کا ایمان اور ایمان کا بھی تخم تھا۔ جس سے ایمان کو نشوو نما ملتا ہے۔ اس لئے انہیں قادیانیت کو نیچا دکھانے اور اسے زیروزبر کرنے کا ایک خاص شغف تھا۔ باطل ازم اور بھی ہیں لیکن قادیانیت ہمیشہ ان کی تلوار کی نوک پر رہتی تھی۔ کیونکہ اس کی زد اسلام کی اصلی جڑ بنیاد (ختم نبوت) پر تھی۔

سیاسی لائن میں انگریزی قوت کو توڑنے اور ملک کو آزاد کرانے میں ان کی خدمات نہ صرف یہ کہ کسی لیڈر سے کم نہ تھیں بلکہ عام سیاسی ایجی ٹیشنوں اور مقاومت مجہول کے اقدامات میں روح کا درجہ رکھتی ہیں۔ عطاء اللہ نے اپنی جوشیلی اور ہوشیلی تقریروں سے لاکھوں کے مجمعوں کو ہلا ہلا دیا۔ اور برطانوی اقتدار کے ایوانوں میں زلزلے ڈال ڈال دیئے۔ عوام کے ٹھنڈے قلوب ان کی تقریروں سے آتشیں بن کر لوٹتے تھے۔ ان کی امروہہ والی تقریر جو جمعیتہ العلماء کے پلیٹ فارم پر ہوئی آج تک ضرب المثل کے طور پر یاد کی جاتی ہے۔ جس نے جنگ آزادی کا ایک نیا موڑ پیدا کیا۔ پھر اردو پارک دہلی کی آتش فشاں تقریریں آج تک میدان میں گونج رہی ہیں۔ جہاں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا شوکت علی مرحوم آرام فرما ہیں۔ اس وقت یہ لوگ بخاری کی تقریروں سے جذباتی روح پیدا کرتے تھے۔ اور آج ان کی تقریروں کی گونج سے جو انہیں کے قیام گاہ پر ہمہ وقت موجزن ہیں عرفانی روح لے رہے ہیں۔

مولانا محمد علی مرحوم کراچی جیل میں محبوس تھے اور کراچی میں جمیعتہ العلماء کا اجلاس مولانا آزاد کی صدارت میں ہوا۔ اس وقت جمعیتہ کی مجلس مضامین میں حضرت شاہ جی کا حبلا چلبلا پن تیزیٔ طبع کنویسنگ کے لئے ادھر ادھر اور ادھر سے ادھر قلبی جذبات کے ساتھ دوڑ دھوپ کا نقشہ گویا آج تک آنکھوں میں ہے۔ اس وقت وہ خلاف معمول "کھدر" کا پتلون پہنے ہوئے تھے۔ جو اس وقت کی لیڈرانہ فضا میں تو کھپ رہا تھا۔ مگر شاہ جی پر اوپرا معلوم ہوتا تھا۔ اور غالباً بعد میں انہیں بھی اس کا اوپرا پن محسوس ہوا تو پھر کبھی ان پر دیکھنے میں نہیں آیا۔ شاید یہ بار اس پتلون کے لئے پہلی بار ہی تھی اور آخری بار بھی۔ پھر ہمیشہ انہیں لنگی یا شلوار ہی میں دیکھا گیا اور یہی انہیں زیب بھی دیتی تھی۔

انقلاب سے پہلے جالندھر میں مدرسہ خیرالمدارس کے ایک جلسہ میں میں نے ایک تقریر کرتے ہوئے قطبی کی کوئی مثال پیش کی تھی تو مجھے یاد ہے کہ شاہ جی نے قطبی سے قطبیت کے مقام کا ذکر چھیڑ کر اقطاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امت کا تذکرہ شروع کیا اور دریا کی طرح تقریر رواں ہو گئی ان کی تقریروں میں بارہا ایسا ہوا کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد خطابت کے اسٹیج پر کھڑے ہوئے خود بھی تقریر میں محو ہو گئے اور سامعین کو بھی از خود رفتہ کر دیا۔ یعنی عطاء اللہ تو اپنے اندر گم ہو گئے اور سامعین ان کی تقریر میں گم ہو گئے تا آنکہ اس گم گشتگی کو صبح کی اذانوں نے چونکا دیا۔ کہ رات ختم ہو چکی ہے۔ اور صبحِ صادق نمودار ہو گئی ہے۔ نہ سامعین کو رات کی خبر ہوئی کہ کہاں گئی نہ منتظمین جلسہ کو پتہ چلا کہ وقت کہاں سے کہاں پہنچا اور خطیب کے ہوش میں رہنے کے تو کوئی معنی ہی نہ تھے۔

حسن صوت کے ساتھ عطاء اللہ کو خدا نے حسن صوت کی دولت بھی عطا فرمائی تھی۔ وہ جب قرآن حکیم کی آیتیں تلاوت کرتے تو ان کے نغمۂ قرآنی سے قلوب کھنچ کر گویا باہر آجاتے تھے۔ آواز گونج دار ہونے کے ساتھ بلند بھی تھی۔ اس لئے لاؤڈ اسپیکر نہ ہونے کی صورت میں بھی ہجوم و اجتماع کی آخری صفیں صف اول ہی کی طرح لذت سماع سے بہرہ یاب ہوتی تھیں۔ اثناء تقریر میں موقعہ بموقعہ اشعار کا ترنم باغ و بہار ہوتا تھا۔

موزوں صورت اور موزوں صوت کے ساتھ طبیعت کے غیر موزوں ہونے کے کوئی معنی نہ تھے۔ طبیعت بھی اتنی ہی حسین تھی جتنی صورت و سیرت اور صوت ممدوح موزونیت طبع سے کبھی کبھی شاعری بھی کرتے تھے۔ بالخصوص فارسی کا کلام دلکش ہوتا تھا۔ جس کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ سید عطاء اللہ ان بے علم خطباء میں سے نہ تھے جن کی خطابت میں علم نہ ہو۔ یا محض لفاظی۔ ان کی خطابت کا مادہ ہو بلکہ باضابطہ درسِ[۱] نظامی پر مشکوٰۃ شریف تک عبور حاصل کئے ہوئے تھے۔ تعلیم و تعلم کے کوچہ سے نا آشنا نہ تھے۔ قدرت کو ان سے خطابت کا اور خطابت کے راستہ سے اسلام کا کام لینا تھا۔ اگر وہ ادھر لگ جاتے تو اس میں لگ جانے کی بھی ان میں صلاحیتیں تھیں۔ مگر دین کی خدمت تعلیم و تعلم میں منحصر نہیں۔ جس راہ سے ان سے کام لیا جانا طے شدہ تھا وہ خطابت کی راہ تھی۔ تو ان کا ان میں میلان پیدا کر دیا گیا۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند
میل او را در دلش انداختند

تاہم علمی قوتیں بھی ان میں موجود تھیں اور موجزن رہتی تھیں۔ اس لئے وہ علم کے کوچے سے نابلد نہ تھے۔ قرآن کریم کے مضامین پر بہت خاصا عبور تھا اور اس کے حقائق وانکشاف کرنے کا خاص سلیقہ اور ملکہ تھا۔ جس نے من بھر علم کو دو من کر کے دکھلا دیا تھا۔

بہر حال سید عطاء اللہ شاہ بخاری عالم، عارف، خطیب، شاعر، زعیم، قائد اور درویش صفت انسان تھے۔ جن میں قدرت نے بہت سی خوبیاں ودیعت کی تھیں۔ وہ دنیا سے کیا گئے کہ بہت سی خوبیاں رخصت ہو گئیں۔ حق تعالیٰ حضرت مرحوم کو ان کے جد اعلیٰ کے قدموں تک پہنچائے۔ اعلیٰ علیین میں درجات بلند دے پسماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے اور قوم کو ان کا بدل عطا فرمائے

۱۔ پہلے مدرسہ نصرت الحق امرتسر میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ بعد میں قومی و سیاسی مصروفیات اور جیل کے باعث وقفہ وقفہ سے بخاری شریف تک تعلیم مکمل فرمائی (مدیر)

© rasailojaraid.com